# حضرت امام علی رضا علیہ السلام

گروہ محققین

امام ہشتم کا اسم مبارک علی علیہ السّلام ،لقب رضاؑ اور کنیت ابوالحسن ہے،امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام آپ علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے اور اس لیے آپ کو پورے نام ولقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام الحسن علی بن موسیٰ رضا علیہ السّلام کہا جائے گا، والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا، جوکہ نہایت عبادت گزار بی بی تھیں۔

## ولادت

۱۱ذی القعدہ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی، آپ کی ولادت سے تقریباًایک ماہ قبل ۱۵ شوال کو آپؑ کے جدِ بزرگوار امام جعفر صادقؑ کی وفات ہو چکی تھی اتنے عظیم حادثہ اور مصیبت کے بعد جلد ہی اس مقدس مولود کے دنیا میں آجانے سے یقیناً گھرانے میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی گئی۔

## تربیت

آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے زیر سایہ ہوئی اور اس مقدس ماحول میں بچپن اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئی اور پینتیس برس کی عمر پوری ہوئی، اگر چہ اس مدت کے آخری چند سال وہ تھے جب امام موسیٰ علیہ السّلام کاظم عراق میں قید وظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۸، ۲۹ برس آپ کو پدرِ بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

## جانشینی

امام موسیٰ کاظم کو معلوم تھا کہ حکومت وقت آپ کو آزادی سے سانس لینے نہ دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانِ اہلبیتؑ کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے رہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا، اس لیے آپ نے انہی آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہل بیت علیہ السّلام کو اپنے بعد ہونے والے امام علیہ السّلام سے روشناس کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی، چنانچہ اولاد علی وفاطمہ میں سے سترہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے جمع فرما کر اپنے فرزند علی رضا علیہ السّلام کی وصایت وجانشینی کا اعلان فرمایا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا، جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی، جب کہ یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں آتا۔

## دورِ امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی عمر پینتیس برس کی تھی جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی شہادت ہوئی اور امامت کی ذمہ داری آپ کی طرف منتقل ہوئی، یہ وہ وقت تھا کہ جب بغداد میں ہارون رشید تختِ خلافت پر تھا اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ناسازگار تھے، اس ناخوشگوار ماحول میں حضرت علیہ السّلام نے خاموشی کے ساتھ شریعت حقہ کی خدمات سرانجام دینا شروع کیں۔

## علمی کمال

آلِ محمد علیہ السّلام کے اس سلسلہ میں ہر فرد بلند ترین علم کے درجہ پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا، یہ اور بات ہے کہ کسی کو زمانے نے علمی فیوض پھیلانے کا کم موقعہ دیا اور کسی کو زیادہ، چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کے بعد اگر کسی کو موقع حاصل ہوا ہے تو وہ امام رضا علیہ السلام ہیں، جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی ''علی رضا'' عالم آلِ محمد ہیں، اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی شہادت کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضۂ رسولؐ پر تشریف فرما تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، محمد ابن عیسیٰ القطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے جوابات تحریر کیے تھے اکٹھے کیے تو ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

## زندگی کے مختلف دور

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس ہارون کا دور رہا، یقیناً وہ امام رضا علیہ السّلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کا رہنا اس نے گوارا نہیں کیا، مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہوگئی تھی اور یا واقعی ظالم کو اپنی بدسلوکیوں کا احساس ہوا اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا علیہ السّلام کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برمکی نے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لیے یہ کہا کہ علی ابن موسیٰؑ بھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیں تو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے جو اب تم چاہتے ہو کہ میں اس نسل ہی کا خاتمہ کروں۔

پھر بھی ہارون رشید کا اہل بیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک تھا اس کی بنا پر عام طور پر سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنہیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی اہل بیت علیہ السّلام کے ساتھ کوئی اچھا رویّہ رکھنے پر تیار نہیں ہوسکتے تھے اور نہ امام علیہ السّلام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے اور نہ حضرت علیہ السّلام کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کی باہمی رقابتوں کی وجہ سے، بہت بے آرامی میں گزرا، امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ میں سے تھا، اس لیے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا، دونوں کی آپس میں رسہ کشی ہارون کے لیے سوہانِ روح بنی رہتی تھی، اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام، مصر، حجاز، یمن وغیرہ محمد امین کے نام کئے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران، خراسان، ترکستان وغیرہ مامون کے لیے مقرر کیے گئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کار

گر ہوسکتا تھا جب دونوں فریق ''جیو اور جینے دو'' کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔

لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کارفرما ہو وہاں اگر بنی عباس کے ہاتھوں بنی فاطمہ کے خلاف ہر طرح کے ظلم وتعدی کی گنجائش پیدا ہوسکتی ہے تو خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کاروائیاں کرنے کے لیے تیار نظر آتے، اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہم تصادم ہو جب ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلق خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ علیہ السّلام اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کرلیا کرتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اُٹھے، آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۸ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کی حدود سلطنت پر قائم ہوگئی۔

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی شہادت کے بعد جب آپؑ مدینہ میں تھے اور روضۂ رسولؐ پر تشریف فرما تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، محمد ابن عیسیٰ القطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے جوابات تحریر کیے تھے اکٹھے کیے تو ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

## ولی عہدی

امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت تو مامون کے نام سے قائم ہوگئی مگر جیسا کہ پہلے ذکر جا چکا ہے کہ امین ننھیال کی طرف سے عربی النسل تھا اور مامون عجمی النسل تھا، امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہوسکتے تھے بلکہ غم وغصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے، دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی اس سے بھی مامون کو ہر وقت خطرہ لگا ہوا تھا، اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں یا جلاوطن کئے گئے ہوں یا قید رکھے گئے ہوں ان کے بھی موافق ایک جماعت تھی جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ نہ بھی سکتی تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔

ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا تھا وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السّلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے، اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا، درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھلی ہی ہوں گی کہ ہم سے کیا کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کرلیا، ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو، اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے اور چونکہ طرزِ عمل میں خلوص سمجھا نہیں جاسکتا اور وہ عالم طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا، اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ

مامون مذہبی حیثیت سے سے اپنی شیعیت اور ولائے اہل بیتؑ کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب ''حق بحق دار رسید'' کے مقولے کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلے میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی نشر کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہوگئی تھی اور خراسان میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں، میں نے خدا سے التجا کی اور منّت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولادِ فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہو اس تک پہنچا دوں، اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔

یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس طرزِ عمل خلوص قلب اور حسن نیّت پر مبنی سمجھا جائے، اہل بیتؑ کے جو کھلے ہوئے سخت سے سخت دشمن تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے ہی اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنیٰ صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ شیعیت کے اس دعوے اور محبت اہل بیت علیہ السّلام کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام علیہ السّلام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ ذریعے سے عوام کو اپنی منشاء کے مطابق چلانے کی کوشش کی تھی، ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام علیہ السّلام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام علیہ السّلام کا اس ولی عہدی کو قبول کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ چلے جانا، اسی لیے جب امام رضا علیہ السّلام مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج وصدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی روضۂ رسولؐ سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین علیہ السّلام کا مدینہ سے روانگی کے موقع پر تھا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بیتابانہ روضہ کے اندر جاتے تھے اور نالہ و فریاد کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں، پھر باہر نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن دل نہیں مانتا تو پھر روضہ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں، یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی، راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت علیہ السّلام کے قریب گیا تو فرمایا اے محول میں اپنے جدِ امجد کے روضہ سے بہ جبر جُدا کیا جا رہا ہوں، اب مجھ کو یہاں واپس آنا نصیب نہ ہوگا۔

۲۰۰ھ میں حضرت علیہ السّلام مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے، اہل وعیال اور متعلقین سب مدینہ ہی چھوڑ گئے، اس وقت امام محمد تقی علیہ السّلام کی عمر پانچ برس کی تھی، آپ بھی مدینہ میں ہی رہے، جب حضرت علیہ السّلام مرو پہنچے جو اس وقت دارالسلطنت تھا تو مامون نے چند روز ضیافت وتکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا، حضرت علیہ السّلام نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنین علیہ السّلام چوتھے موقع پر خلافت پیش کیے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے، مامون کو خلافت سے دست بردار ہونا در حقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام علیہ السلام کو اسی پر مجبور کرتا، چنانچہ جب حضرت علیہ السّلام نے خلافت قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولی عہدی کا سوال پیش کیا، حضرت علیہ السّلام اس کے بھی انجام سے واقف تھے، نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا، حضرت علیہ السّلام نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا، جان کا خطرہ اس وقت قبول کیا جا سکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظت جان شریعت

اسلام کا بنیادی حکم ہے، امام علیہ السّلام نے فرمایا یہ ہے تو مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر کار و بارِ سلطنت میں، میں خود دخل نہ دوں گا، اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی، جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی ہو، مگر امام علیہ السّلام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل اسی طرح تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضیٰ اپنے زمانہ کی بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح اور ناجائز نہیں بنا سکتا تھا ویسے ہی امام رضا علیہ السّلام کا اس نوعیت سے ولی عہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہوسکتا تھا، صرف مامون کی ایک راج ہٹ تھی جو اس طرح پوری ہوگئی مگر امام علیہ السّلام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔

بنی عباس مامون کے اس فیصلے سے قطعاً متفق نہ تھے انہوں نے بہت کچھ درانداز یاں کیں مگر مامون نے صاف کہہ دیا کہ "علی رضا علیہ السّلام سے بہتر کوئی دوسرا شخص تم بتادو" اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس سلسلے میں بڑے بڑے مناظرے بھی ہوئے مگر ظاہر ہے کہ امام علیہ السّلام کے مقابلہ میں کس کی علمی فوقیت ثابت ہوسکتی تھی، مامون کا فیصلہ اٹل تھا اور وہ اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل دیتا۔

یکم رمضان ۲۰۱ھ "جلسہ ولی عہدی" منعقد ہوا، بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی، سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی، پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے، سونے چاندی کے سکے سر مبارک پر نثار کیے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت و ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے، مامون نے حکم دیا کہ حضرت علیہ السّلام کے نام کا سکّہ تیار کیا جائے، چنانچہ درہم و دینار پر حضرت علیہ السّلام کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرو میں وہ سکّہ چلایا گیا، جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیہ السّلام کا نام داخل کیا گیا۔

> عزاداریٔ امام حسین علیہ السّلام کے لیے منعقد ہونے والے اجتماع کا نام اصطلاحی طور پر "مجلس" امام رضا علیہ السّلام کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے

## اخلاق و اوصاف

ثروت و اقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنا بلند مرتبہ مردانِ خدا کا حصہ ہے، اہل بیت معصومین علیہ السّلام میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت سے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے کیوں کہ ان کی فقیری کو دشمن بےبسی پر محمول کر کے طعن و تشنیع پر آمادہ ہوتے اور حقانیت کے وقار کو ٹھیس لگتی مگر جو بزرگ اتفاقات روزگار سے ظاہری اقتدار کے درجہ پر پہنچ گئے، انہوں نے اتنا ہی فقر اور سادگی کے مظاہرہ میں اضافہ کر دیا تاکہ ان کی زندگی غریب مسلمانوں کی تسلی کا ذریعہ بنے اور ان کے لیے نمونہ عمل ہو جیسے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السّلام چونکہ شہنشاہ اسلام مانے جاتے تھے اس لیے آپ کا لباس اور طعام ویسا زاہدانہ تھا جس کی مثال دوسرے معصومین علیہ السّلام کے یہاں نہیں ملتی، یہی صورت حضرت علی رضا علیہ السّلام کی تھی، آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جن کی وسعت مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاقِ نسیان کی نذر ہوگیا تھا، جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے آواز بلند ہوتی تھی کہ جہاں تجھے برسنا ہو برس، بہر حال تیری پیداوار کا اخراج میرے پاس ہی آئے گا۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پا جائیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا، یہاں امام رضا علیہ السّلام کو اپنی دینی ذمہ داری کو

محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنادیں جتنے ترک و احتشام کے دینی تقاضے زیادہ ہیں چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور وہ علی رضا علیہ السّلام کی شکل میں علی المرتضیٰ علیہ السّلام کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آگئی، آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کیے بلکہ جاڑے میں بالوں کا کمبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا، کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے، ادب و آداب شاہی کے خوگر ایک بلخی شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ حضور اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام الگ ہو جایا کرے تو کیا حرج ہے؟ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام نے فرمایا

> خالق سب کا اللہ ہے، ماں سب کی حوّا اور باپ سب کے آدم علیہ السّلام ہیں، جزا و سزا ہر ایک کی اس کے عمل کے مطابق ہوگی، پھر دُنیا میں تفریق کس لیے ہو۔

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزو بن کر جہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قرابتداری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلق خدا پر حکمرانی کا حقدار بنایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال و افعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے، یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابتِ رسولؐ پر افتخار تھا اس ماحول کے اندر داخل ہو کر امام رضاؑ کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہر حال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا، چنانچہ امام رضا علیہ السّلام کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں، ایک شخص نے حضرت علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ ”خدا کی قسم آباؤ اجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں“ حضرت علیہ السّلام نے فرمایا میرے آباء و اجداد کو جو شرف حاصل ہوا ہے وہ صرف تقویٰ، پرہیز گاری اور اطاعتِ خدا کی وجہ سے ہے، ایک شخص نے کسی دن کہا کہ ”واللہ آپ بہترین مخلوق ہیں“۔

حضرت علیہ السّلام نے فرمایا:

> اے شخص حلف نہ اٹھا، جس کا تقویٰ و پرہیز گاری مجھ سے یادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت علیہ السّلام فرماتے تھے، ”میرے تمام لونڈی اور غلام آزاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہؐ کی قرابت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل نہیں جانتا (حضرت علیہ السّلام نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) ہاں جب عمل خیر بجالاؤں گا تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا“۔

یہ باتیں کوتاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کر لیتے ہوں مگر خود حکومت عباسیہ کا فرماں روا یقیناً اتنا کند ذہن نہ ہوگا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضا علیہ السّلام کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظامِ سلطنت پر برابر لگ رہے تھے، اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت علیہ السّلام کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی زندگی زیادہ عرصہ تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا۔

## عزائے حسین علیہ السّلام کی اشاعت

اب امام رضا علیہ السّلام کو تبلیغ حق کے لیے نام حسینؑ کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی

بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام جعفر صادقؑ قائم کر چکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ امام علیہ السّلام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام اور بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضا علیہ السّلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی، اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے، مرو کا مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے، ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم ہے کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، دوسروں کو بھی ترغیب وتحریص کی جانے لگی کہ آلِ محمدؐ کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات غم کو ظاہر کرو، یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا، اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔

عزاداری امام حسین علیہ السّلام کے لیے منعقد ہونے والے اجتماع کا نام اصطلاحی طور پر ''مجلس'' امام رضا علیہ السّلام کی اسی حدیث ہی سے ماخوذ ہے آپ نے عملی طور پر خود مجلسیں برپا کرنا شروع کر دیں، جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین، جیسے یان بن شیب کی حاضری کے موقع پر جب آپ نے مصائب امام حسین علیہ السّلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین علیہ السّلام میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔

دعبل کو حضرت نے بعد مجلس ایک قیمتی حلّہ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دعبل نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ مجھے قیمتی حلّہ کی ضرورت نہیں ہے اپنے جسم کا اترا ہوا لباس مرحمت فرمائے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی وہ حلّہ تو انہیں دیا ہی تھا اس کے علاوہ ایک جبّہ اپنے پہننے کا بھی مرحمت فرمایا۔

اس سے ذاکر کا بلند طریقہ کار کہ اسے کسی دنیوی انعام کی خاطر یا معاذ اللہ اجرت طے کر کے ذاکری نہیں کرنا چاہیے اور بانی مجلس کا طریقہ کار کہ وہ بغیر طے کیے ہوئے کچھ بطور پیشکش ذاکر کی خدمت میں پیش کرے دونوں امر ثابت ہیں۔

## شہادت

جب مامون کی توقعات غلط ثابت ہوگئیں تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ آخر امام علیہ السّلام کی جان لینے کے درپے ہوگیا اور وہی خاموش حربہ جو ان معصومین علیہ السّلام کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جا چکا تھا کام میں لایا گیا، انگور میں جو بطور تحفہ امام علیہ السّلام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اور اس کے اثر سے ۱۷ صفر ۲۰۳ھ میں حضرت علیہ السّلام نے شہادت پائی، مامون نے بظاہر بہت رنج وماتم کا اظہار کیا اور بڑے شان وشکوہ کے ساتھ اپنے باپ ہارون رشید کے قریب دفن کیا، جہاں مشہد مقدس میں حضرت علیہ السّلام کا روضہ آج تاجدارانِ عالم کی جبیں سائی کا مرکز بنا ہوا ہے وہیں اپنے وقت کا دنیوی شہنشاہ ہارون رشید بھی دفن ہے جس کا نام ونشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔